مباحثہ ومکالمہ

حافظ صلاح الدین یوسف*

کیا غامدی فکر و منہج ائمہ سلف کے فکر و منہج کے مطابق ہے؟

غامدی صاحب کے دعوائے مطابقت کا جائزہ-۴

حد رجم اللہ کا حکم ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو واضح الفاظ میں اپنے پیغمبر کے بارے میں فرمایا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ (الحاقہ: 44-46)

''اگر وہ ہم پر کچھ باتیں گھڑ کر لگا دیتا تو ہم اسکے دائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے، پھر ہم اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔''

یہ اللہ نے کوئی اصول بیان نہیں کیا بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بتلایا ہے کہ اگر یہ کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم سخت مواخذہ کرتے؛ اس آیت میں گویا اس بات کی وضاحت ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اللہ کے ذمے نہیں لگائی۔

اس آیت کی روشنی میں آپ رجم کی احادیث دیکھ لیں؛ ان میں آپ نے ایک تو اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ رجم کی یہ حد ان زانیوں کے لیے ہے جو شادی شدہ ہونے کے باوجود اس فعل شنیع کا ارتکاب کرتے ہیں۔ دوسرے، یہ بھی واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ یہ سزا میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے دے رہا ہوں؛ جب سورۂ نساء کی آیت وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ میں بیان کردہ عبوری سزائے زنا ختم کر کے زنا کی مستقل سزا مقرر کی گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خذوا عنی، خذوا عنی فقد جعل الله لهن سبيلا (صحیح مسلم، رقم ۱۶۹۰)

مجھ سے لے لو؛ مجھ سے لے لو! اللہ نے ان زانی عورتوں کے لیے راستہ بنا دیا ہے، یعنی مستقل سزا مقرر کر دی ہے۔

اور پھر آپ نے یہی دو سزائیں، ایک غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑے اور شادی شدہ کے لیے رجم بیان فرمائیں؛ نیز اسے 'کتاب اللہ' کے فیصلے سے بھی تعبیر فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا اور مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

*مدیر شعبہ تحقیق وتصنیف، دار السلام، لاہور

اگر ہمارے پیغمبر کی یہ سزائیں یا صرف ایک سزا رجم اپنی طرف سے گھڑی ہوتی تو آپ یقیناً مواخذہ الٰہی سے محفوظ نہ رہتے؛ آپ کا اس مواخذے سے محفوظ رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ حد رجم کی یہ سزا وعدہ الٰہی کے مطابق عبوری سزا کے بعد مستقل سزا اللہ تعالیٰ ہی نے وحی خفی کے ذریعے مقرر فرمائی ہے؛ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نئے حکم کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بھی بعض مواقع پر آپ نے شادی شدہ زانیوں کے لیے یہ حد رجم بیان فرمائی اور اسے کتاب اللہ کا فیصلہ قرار دیا جیسے حدیث میں ایک مزدور کے والد ایک عورت کے خاوند کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ اس کے بیٹے اس کی بیوی سے زنا کر لیا تھا؛ دونوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ یک زبان یہ کہا کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ ہمارے درمیان فیصلہ فرمایئے! ایک نے کہا: انشدك بالله الا قضيت لي بكتاب الله (میں آپ کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ آپ صرف اللہ کی کتاب کے ساتھ میرا فیصلہ فرمائیں) دوسرے نے کہا: نَعَم، فَاقضِ بَينَنَا بِكِتَابِ اللّٰه (ہاں، ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ فرمائیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی باتیں سن کر فرمایا:

والذی نفسی بیده لاقضین بینکما بکتاب الله

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں یقیناً تم دونوں کے اللہ کی کتاب کے ساتھ ہی فیصلہ کروں گا۔

پھر آپ نے فیصلہ کیا فرمایا؟ یہی کہ ''تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہے اور عورت کے لیے اگر وہ اعتراف جرم کر لے تو رجم کی سزا ہے۔''

چنانچہ آپ نے حضرت انس کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ جا کر پوچھو؛ اگر عورت اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو! حضرت انس گئے، پوچھا تو اس نے اعتراف کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اس کو رجم (سنگ سار) کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم، الحدود، رقم ۱۶۹۸)

اس واقعے کو دیکھ لیجیے اور عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے عہد کے واقعات رجم کو دیکھ لیجیے! کسی واقعے میں بھی آپ کو یہ بات نہیں ملے گی کہ یہ تفتیش وتحقیق کی گئی ہو کہ زنا کا ارتکاب کرنے والا مرد یا عورت قحبہ (زنا کی عادی مجرم، پیشہ ور زانی) اور غنڈہ، اوباش (زنا کا عادی مجرم) ہے؟ صرف اس امر کی تحقیق کی گئی کہ مجرم کنوارا ہے یا شادی شدہ؟ اس کے مطابق کوڑوں کی یا رجم کی (اگر وہ شادہ شدہ ہوتا یا ہوتی) سزا دی گئی۔

فراہی گروہ کی جرأت رندانہ یا شوخ چشمانہ جسارت

اب یہ کہنا کہ سزا رجم الفاظ قرآن کی دلالت سے ثابت نہیں ہوتی اور ایسا کوئی استنباط یا استدلال جس کے الفاظ قرآن متحمل نہ ہوں، قطعاً جائز نہیں ہے حتیٰ کہ پیغمبر بھی ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے اور پیغمبر کا یہ فعل تبیین قرآنی میں نہیں آتا بلکہ یہ (نعوذ باللہ) قرآن میں تغیر اور تبدل ہے، جس کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں ہے۔

یہ فراہی، غامدی یا اصلاحی گروہ کا موقف ہے جس کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجم کی حد نافذ کرنا اورا سے اللہ کا حکم قرار دینا، قرآن کے خلاف اوراس سے تجاوز ہے۔

اسی طرح خلفاے راشدین سمیت پوری امت کے علما وفقہا، ائمہ ومحدثین جو شادی شدہ زانی کی حد سزاے رجم سمجھتے آئے ہیں، غلط ہیں؛ نہ انھوں نے قرآن کو سمجھا ہے اور نہ اس سے متعلقہ حدیثی روایات کو؛ اس رجم کی حقیقت کو چودہ سو سال بعد اگر کسی نے سمجھا ہے تو سب سے پہلے مولانا حمید الدین فراہی ہیں جن کی ولادت ۱۸۶۳ء اور وفات ۱۹۳۰ء کو بھارت میں ہوئی اور دیدہ دلیری کی انتہا یہ دعویٰ ہے کہ انھوں نے اس سزاے رجم کا ماخذ قرآن سے تلاش کیا ہے؛ یعنی قرآن اللہ کے پیغمبر پر نازل ہوا لیکن پیغمبر بھی یہ نہ سمجھ سکا کہ رجم کا حکم کس آیت یا آیت کے کس لفظ سے نکلتا ہے؟ صحابہ کرام بھی اس کا مبنیٰ نہ سمجھ سکے؛ چودہ سو سال سے قرآن کی تفسیریں مختلف انداز سے بڑے بڑے ائمہ تفسیر و حدیث لکھتے آ رہے ہیں حتیٰ کہ احکام قرآن پر بھی متعدد کتابیں لکھی گئیں جیسا کہ احکام القرآن للقرطبی، احکام القرآن لابن العربی، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن للتھانوی اور نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام (نواب صدیق حسن خان) وغیرہ ہیں۔

عام تفاسیر میں بھی آیات احکام سے متعلقہ احکام ومسائل کا استنباط ہے لیکن احکام القرآن نامی تفاسیر کا تو تمام تر موضوع ہی وہ آیات ہیں جن سے احکام شرعیہ کا اثبات یا استنباط ہوتا ہے؛ ان کے مفسرین ومؤلفین ایک ایک آیت سے دسیوں مسائل کا استنباط واستخراج کرتے ہیں لیکن کسی عالم، فقیہ، امام، محدث نے آج تک یہ نہیں بتایا کہ حکم رجم کا ماخذ یہ احادیث نہیں ہیں بلکہ یہ تو غیر معتبر ہیں، رجم کا اصل ماخذ تو فلاں آیت قرآنی کا فلاں لفظ ہے حتیٰ کہ قرآن فہمی کا یہ ملکہ جو مولانا فراہی کو ملا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی (نعوذ باللہ) نصیب نہیں ہوا؛ اس لیے آپ یہ تو فرماتے رہے کہ رجم کا یہ حکم اللہ کی کتاب کا فیصلہ یا اس کا حکم ہے لیکن آپ نے مولانا فراہی یا اصلاحی اور غامدی کی طرح یہ نہ بتایا کہ اس کا ماخذ قرآن کی فلاں آیت اور اس کا فلاں لفظ ہے۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ امریکا کولمبس کی دریافت ہے، اسی طرح رجم کے ماخذ قرآنی کی دریافت، حمید الدین الدین فراہی کا 'کارنامہ' ہے۔

بتلایئے! اس جرأت رندانہ یا شوخ چشمانہ جسارت کو کیا کہا جائے؟ ع کاش کرتا کوئی گستاخ کا منہ بند!

عجیب وغریب تضاد یا منصب رسالت کے ساتھ مذاق؟

ہم یہ باتیں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں؛ الفاظ ضرور ہمارے ہیں لیکن غامدی صاحب نے جو خامہ فرسائی کی ہے اور لالہ وگل بکھیرے ہیں، ان کا خلاصہ یہی ہے؛ ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

> ''سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۳۳-۳۴ میں اللہ تعالیٰ نے فساد فی الارض کے مجرموں کی یہ سزا بیان کی ہے کہ انھیں بدترین طریقے سے بھی قتل کیا جاسکتا ہے؛ سولی بھی دی جاسکتی ہے؛ ان کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب بھی کاٹے جاسکتے ہیں اور انھیں جلاوطن بھی کیا جاسکتا ہے؛ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کا اطلاق اپنے زمانے

کی عورتوں پر کیا اور فرمایا:

مجھ سے لو، مجھ سے لو، مجھ سے لو؛ اللہ نے ان عورتوں کے لیے راہ نکال دی ہے؛ اس طرح کے مجرموں میں کنوارے کنواریوں کے ساتھ ہوں گے اور انھیں سو کوڑے اور جلا وطنی کی سزا دی جائے گی؛ اسی طرح شادی شدہ مرد و عورت بھی سزا کے لحاظ سے ساتھ ساتھ ہوں گے اور انھیں سو کوڑے اور سنگ ساری کی سزا دی جائے گی۔ (مسلم، رقم ۴۴۱۴)

آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ عورتیں محض زنا ہی کی مجرم نہیں ہیں بلکہ اس کے ساتھ آوارہ منشی اور جنسی بے راہ روی کو اپنا معمول بنا لینے کی وجہ سے فساد فی الارض کی مجرم بھی ہیں؛ اس لیے ان میں سے جو اپنے حالات کے لحاظ سے نرمی کی مستحق ہیں، انھیں زنا کے جرم میں سورۂ نور کی آیت ۲ کے تحت سو کوڑے اور معاشرے کو ان کے شر و فساد سے بچانے کے لیے ان کی اوباشی کی پاداش میں مائدہ کی آیت ۳۳ کے تحت نفی، یعنی جلا وطنی کی سزا دی جائے۔ اس طرح جن کے ساتھ کوئی نرمی برتنا ممکن نہیں ہے، وہ اس آیت کے حکم ان یقتلوا کے تحت رجم کر دی جائیں۔''

سزائے رجم کے بارے میں یہ غامدی کا موقف ہے جسے ہم نے بعینہٖ مکمل شکل میں پیش کر دیا ہے۔ اس میں سب سے پہلے غامدی صاحب کی جرأت رندانہ کی داد دیجیے کہ انھوں نے صحیح مسلم کی حدیث اپنے استدلال میں پیش کی ہے جس میں واضح طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوار یا اور شادی شدہ دونوں کی الگ الگ سزائیں بیان فرمائی ہیں، یعنی دو قسم کے مجرموں کے لیے ایک دوسرے سے مختلف دو سزائیں تجویز کی ہیں (جس کی تائید آپ کے عمل سے بھی ہوتی ہے) اور ان مجرموں کی نوعیت بھی واضح کر دی ہے کہ ایک نوعیت کنوارے کی ہے اور دوسرے کی نوعیت شادی شدہ کی ہے۔ حدیث میں کوئی ابہام یا خفا نہیں ہے اور جرم کی نوعیت میں بھی کوئی ابہام نہیں ہے، یعنی وہ صرف اور صرف زنا ہے؛ اس کے علاوہ حدیث میں کوئی اشارہ ایسا نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ زنا کرنے والی عورت اگر زنا کی عادی اور پیشہ کرانے والی، یعنی قحبہ ہو تو پھر رجم کی سزا دی جائے گی اور اگر وہ قحبہ نہ ہو، یعنی آوارہ منش اور اوباش نہ ہو تو اس کو صرف کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ لیکن غامدی صاحب بیان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کر رہے ہیں لیکن آپ کے ذمے وہ بات لگا رہے ہیں جو اس فرمان کے کسی لفظ سے نہیں نکلتی؛ اسی طرح حدیث میں زانی مرد ہو یا عورت، دونوں کے لیے سزا کا بیان ہے لیکن غامدی صاحب اس کا اطلاق صرف زانیہ پر کر رہے ہیں، یعنی آپ نے اس میں زانیہ کی سزا بیان کی ہے۔

نبی نے تو کوئی حدیث اپنی طرف سے گھڑ کر آپ کی طرف منسوب کرنے پر جہنم کی شدید وعید بیان فرمائی ہے ؛ غامدی صاحب کا جرم تو اس سے بھی شدید تر ہے کہ آپ کی حدیث بیان کر کے اپنا من گھڑت نظریہ آپ کے ذمے لگا رہے ہیں جس کا اس حدیث میں کوئی اشارہ تک موجود نہیں ہے: ع چہ دلاور است دزدے کہ بہ کف چراغ دارد

وہ بات ان کو بہت اچھی لگی ہے — 'ساری حدیث' میں جس کا کوئی ذکر نہیں ہے

موصوف حدیث مذکورہ بیان کر کے کتنی بے باکی سے کہتے ہیں:

''آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ عورتیں چوں کہ محض زنا ہی کی مجرم نہیں ہیں بلکہ آوارہ منشی اور جنسی بے راہ روی کو اپنا

معمول بنالینے کی وجہ سے فساد فی الارض کی مجرم بھی ہیں............‘‘

سوال یہ ہے کہ نبی کا یہ منشا آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟ حدیث میں تو اس کا کوئی قرینہ اور اشارہ نہیں ہے؛ کیا آپ کو وحی کے ذریعے بتلایا گیا ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اوباشی، آوارہ منشی، غنڈہ گردی یا جنسی بے راہ روی کی کوئی الگ سزا کا اسلام میں کوئی تصور ہے؟ اسلامی لٹریچر میں حدود وتعزیرات پر جو کتابیں تحریر کی گئی ہیں یا احادیث کی کتابوں میں حدود کے ابواب ہیں یا مفسرین نے آیات حدود کی جو تفسیریں کی ہیں، کیا کہیں بھی اوباشی وآوارہ منشی کی کوئی سزا کسی نے بیان کی ہے؟

قرآن مجید میں یقیناً آیت محاربہ موجود ہے اور اس کے مرتکبین کو جمع کے صیغے کیساتھ ذکر کیا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس میں ایسے منظم جتھے یا ٹولے کا ذکر ہے جو اسلامی حکومت کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں ملوث ہو یا لوگوں کے جان و مال کے لوٹنے اور قتل و غارت گری کے مرتکب ہوں، ان کے لیے یہ چار سزائیں بیان کی گئی ہیں کہ خلیفہ وقت اس ٹولے کے جرائم کے مطابق ان میں سے کوئی بھی ایک سزا ان کو دے سکتا ہے لیکن فراہی گروہ سے پہلے کسی مفسر، کسی فقیہ، کسی امام اور عالم نے اس محاربہ کے مرتکبین میں زنا کے مرتکبین کو بھی شامل نہیں کیا؛ کیوں؟ اس لیے کہ زنا کاری تو ایک خفیہ کاروائی ہے؛ اس سے فساد فی الارض کس طرح برپا ہوگا؟ فساد فی الارض تو ایسے منظم جتھے سے پھیلتا ہے جس کے پاس کچھ قوت و طاقت ہو جس کی وجہ سے وہ حکومت کے لیے یا عوام کے جان و مال کے لیے چیلنج بن جائے۔ ہمارے ملک میں قحبہ خانے کھلے ہوئے ہیں؛ وہاں پیشہ ور عورتیں بدکاری کرواتی ہیں؛ مرد بھی وہاں جا کر اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں؛ ایسے لوگوں کو نہ اوباش اور آوارہ منش کہا جاتا ہے اور نہ ان سے زمین میں فساد پھیلتا ہے؛ پھر ان کو محاربین قرار دے کر کس طرح ان پر محاربہ کی سزا نافذ کی جاسکتی ہے؟

خیال رہے قحبہ عورتیں غارت گر دین و ایمان یقیناً ہیں؛ رہ زن تمکین و ہوش بھی ہیں؛ علاوہ ازیں اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ان کا عمل بدکاری زمین میں فساد اور بگاڑ کا بھی یقیناً باعث ہے جس کی اجازت ایک اسلامی ملک میں نہیں دی جاسکتی لیکن محاربین کا فساد فی الارض اور نوعیت کا ہے؛ اس سے ملک میں لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا ہو جاتا؛ راستے پرخطر ہو جاتے ہیں؛ حکومت کم زور ہو تو ملک کی سالمیت و بقا بھی داو پر لگ جاتی ہے؛ اسی لیے اس جرم کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ اس کے برعکس گناہوں اور معصیت کاری سے جو فساد فی الارض رونما ہوتا ہے، اس کی نوعیت حرابے کے فساد سے یک سر مختلف ہے؛ اسی لیے شریعت نے اندونوں فسادوں کا حکم ایک ہی بیان نہیں کیا ہے۔

پھر سب سے بڑھ کر سوال یہ ہے کہ محاربہ کی سزا رجم آج سے پہلے کس نے بیان کی ہے؟ یہ کہنا کہ 'تقتیل' مبالغے کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے: برے طریقے سے قتل کرنا، اس لیے رجم بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے لیکن یہ گروہ عرب کے جاہلی ادب کو قرآن فہمی میں سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے؛ جاہلی ادب سے کوئی ایک مثال پیش کر کے دکھائے کہ کسی شاعر نے یا کسی بڑے ادیب نے 'تقتیل' کو رجم کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

محض ایک گروہ کے تحکم اور دھاندلی سے تو 'تقتیل' کا معنی رجم نہیں ہوسکتا؛ یہ قرآن کا لفظ ہے جسے چودہ سو سال سے

علما، فقہا اور ائمہ ومحدثین پڑھتے اور اس کی تفسیر ووضاحت کرتے آئے ہیں؛ آخر کس نے اس کا معنی رجم کیا ہے؟ یا یہ کہا ہے کہ اس کے مفہوم میں رجم بھی آ سکتا ہے؟ اسی طرح یہ عربی زبان کا لفظ ہے؛ عربی لغت میں، عرب کے اہل کلام میں، عرب کے دیوان جاہلیت میں اس کا معنی کسی نے رجم کیا ہے یا رجم کو اس کے مفہوم میں شامل کیا ہے؟

پھر ان سب سے بڑھ کر یہ سوال ہے کہ قرآن میں معنوی تحریف کر کے شریعت سازی کا حق اس گروہ کو کیسے حاصل ہو گیا؟ اَن یُـقتّلُـوا کے مفہوم میں رجم کو شامل کرنا قرآن میں تحریف معنوی ہے اور اس تحریف معنوی کی بنیاد پر اسلام میں اوباشی اور آوارہ منشی کی ایک نئی سزا مقرر کرنا شریعت سازی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کو تشریح وتفسیر تو نہیں کہا جا سکتا؛ کسی لفظ کی تشریح میں ایک شرعی حکم کا ایجاد کرنا تشریح نہیں، شریعت سازی کہلائے گا۔

زانی اور زانیہ کا چاہے وہ زنا کے کتنے عادی ہوں، اول تو بالعموم عادی یا غیر عادی کا پتا چلانا ہی مشکل ہے؛ اگر پتا چل بھی جائے تو اس کو نہ محارب کہا جاتا ہے، نہ سمجھا جاتا ہے اور نہ کسی نے عادی زانی کے لیے رجم کی سزا تجویز کی ہے؛ پھر ستم بالائے ستم، اسے قرآنی سزا کہنا ایسی شوخ چشمانہ جسارت ہے جس کی جرأت چودہ سو سال کی تاریخ میں کسی کو نہیں ہوئی۔ اسی لیے ہم پورے یقین واذعان سے کہتے ہیں کہ فراہی گروہ کی یہ جسارت قرآن کریم کی معنوی تحریف بھی ہے جو یہودیانہ تلبیس کاری ہے اور شریعت سازی بھی ہے جس کا حق اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

شریعت سازی کا حق ابوبکر وعمر کو نہیں تو فراہی گروہ کو کیسے حاصل ہو گیا؟

غامدی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت سازی کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں حتیٰ کہ حضرت ابوبکر وعمر کو بھی یہ حق حاصل نہیں؛ چناں چہ وہ شراب کی حد چالیس کوڑے کو پہلے تو حضرت ابوبکر کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے دور خلافت میں مقرر کی؛ پھر کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں یہ دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو اس کو اسی کوڑے میں بدل دیا؛ پھر ابن رشد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''جمہور کا مذہب اس معاملے میں صحابہ کرام کے ساتھ سیدنا فاروق کی مشاورت پر مبنی ہے جو اس وقت ہوئی جب ان کے زمانے میں لوگ کچھ زیادہ شراب پینے لگے اور سیدنا علی نے مشورہ دیا کہ حد قذف پر قیاس کرتے ہوئے اس کی سزا بھی اسی کوڑے مقرر کر دی جائے؛ چناں چہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے استدلال میں انھوں نے فرمایا: یہ جب پیے گا تو مدہوش ہو گا اور مدہوش ہو گا تو بکواس کرے گا اور بکواس کرے گا تو دوسروں پر جھوٹی تہمتیں بھی لگائے گا۔ (بدایۃ المجتہد ۳۳۲/۲)

ابن رشد کا یہ اقتباس نقل کر کے غامدی صاحب فرماتے ہیں:

> ''اس سے واضح ہے کہ یہ (سزا) ہرگز شریعت نہیں ہو سکتی؛ اس زمین پر قیامت تک کے لیے یہ حق صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو شریعت قرار دیں اور جب ان سے کوئی چیز شریعت قرار پا جائے تو پھر صدیق وفاروق بھی اس میں تغیر وتبدل نہیں کر سکتے۔ یہ (سزا) اگر شریعت ہوتی تو نہ سیدنا

صدیق اسے چالیس کوڑوں میں تبدیل کرتے، نہ سیدنا فاروق ان چالیس کواسی میں بدلتے؛ اس صورت میں یہ حق ان میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں تھا........... چناں چہ ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی حد نہیں ہے بلکہ محض تعزیر ہے جس سے مسلمانوں کا نظم اجتماعی (حکمران) اگر چاہے تو برقرار رکھ سکتا ہے اور چاہے تو اپنے حالات کے لحاظ سے اس میں تغیر وتبدل کر سکتا ہے۔" (برہان، ص ۱۳۸، ۱۳۹، طبع پنجم)

اس پورے اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شرابی کو صرف زدوکوب کیا گیا ہے، کوڑے نہیں مارے گئے؛ سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق نے ۴۰ کوڑے مارے، پھر حضرت عمر نے ۴۰ کو ۸۰ کوڑوں میں بدل دیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ شراب نوشی کی حد چالیس کوڑے نہیں ہے بلکہ یہ کوڑے تعزیری سزا ہے جو حاکم وقت کی صواب دید پر منحصر ہے؛ وہ کوئی بھی سزا دے سکتا ہے۔

شراب نوشی کی سزا کو حد شرعی سے خارج کرنے کے لیے غامدی صاحب نے پہلے تو ان صحیح احادیث کا ذکر نہ کرکے گویا ان کا رد کر دیا ہے جن میں صراحت ہے کہ ۴۰ کوڑوں کی یہ سزا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے؛ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ آپ نے اس کو دو چھڑیوں کے ساتھ تقریباً چالیس کوڑے لگائے؛ اسی روایت میں آگے ہے کہ ابوبکر نے بھی ایسا ہی کیا، پھر جب عمر کا دور آیا تو انھوں نے لوگوں سے مشورہ کیا؛ عبدالرحمان (بن عوف) نے کہا: سب سے ہلکی حد ۸۰ کوڑے ہیں؛ چناں چہ عمر نے اسی کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۷۰۶)

اسی مسلم میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عثمان کی خلافت میں حضرت ولید کو لایا گیا جن کی شراب نوشی پر دو شخصوں نے گواہی دی۔ حضرت عثمان نے حضرت علی سے کہا: اٹھیے! اور اس کو کوڑے ماریے! حضرت علی نے حضرت حسن کو کہا: اے حسن! اٹھ اور اس کو کوڑے مار! حضرت حسن نے کہا: یہ ناخوش گوار کام بھی وہ ہی کرے جو اس حکومت سے فائدہ اٹھا رہا ہے؛ گویا انھوں نے ناراضی کا اظہار کیا۔ حضرت عثمان نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے کہا: آپ اسے کوڑے ماریے! چناں چہ انھوں نے کوڑے مارنے شروع کیے؛ حضرت علی گنتے رہے تو جب چالیس کوڑے پورے ہو گئے تو حضرت علی نے کہا: بس اب رک جائیں؛ پھر کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے، حضرت ابوبکر نے بھی چالیس مارے، اور عمر نے ۸۰ مارے، اور سب سنت ہیں اور یہ مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ (صحیح مسلم، رقم ۱۷۰۷)

ان دونوں روایتوں میں صراحت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق نے شراب نوش پر جو حد جاری کی، وہ چالیس کوڑے تھی تاہم عہد رسالت کے بعض واقعات میں صرف زدوکوب کرنے کا بھی ذکر ہے، کوڑے مارنے کا نہیں؛ اس کی بابت علما نے وضاحت کی ہے کہ یہ واقعات اس کی حد مقرر کرنے سے پہلے کے ہیں لیکن بعد میں مذکورہ حد مقرر کر دی گئی جس پر حضرت ابوبکر کے دور میں بھی عمل کیا گیا۔ حضرت عمر نے چالیس کے بجائے ۸۰ کر دیے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انھوں نے اس کو حد نہیں سمجھا بلکہ اس اضافے کی وجہ بھی خود غامدی صاحب کے نقل کردہ اقتباس میں موجود ہے کہ ان کے دور میں اس سزا کو ناکافی سمجھتے ہوئے شراب نوشی میں اضافہ ہو گیا تھا جس کے سدباب کے لیے حضرت

عمر نے اس سزا کو دوگنا کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ چالیس تو حد شرعی ہے اور مزید چالیس یہ بہ طور تعزیر ہے تا کہ لوگ اس جرم سے بعض رہیں۔

علاوہ ازیں حضرت عمر کے اس اقدام پر کسی صحابی نے بھی نکیر نہیں کی اور حضرت علی نے بھی اسے سنت ہی سے تعبیر کیا کیوں کہ یہ اضافہ خلیفہ راشد نے کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔(الحدیث)

حضرت عمر کا یہ اضافہ بھی سنت ہی کہلائے گا؛ حضرت عمر کے اس اقدام کی وجہ سے شراب نوشی کی حد، حد نہیں رہے گی بلکہ تعزیر بن جائے گی، ایسا سمجھنا یا باور کرانا یک سر غلط ہے، تاہم دونوں صورتیں سنت ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ اصل حد چالیس کوڑے ہی ہے اور اگر تادیب وتنبیہ کے طور پر اس میں اضافے کی ضرورت محسوس کی جائے تو ۸۰ کوڑے بھی مارے جاسکتے ہیں اور یہ بھی سنت ہی ہوں گے۔

انکار حدیث کا مطلب اور فراہی گروہ کی حیثیت

اس تفصیل سے یہ بات تو واضح ہوئی کہ غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کہ حدیث کے بارے میں ان کے موقف اور ائمہ سلف کے موقف میں بال برابر بھی فرق نہیں، سراسر جھوٹ اور فریب ہے۔ ائمہ سلف کا شیوہ یہ کبھی نہیں رہا کہ وہ پہلے اپنے طور پر ایک نظریہ گھڑیں، پھر اس کی تائید میں کیسی بھی روایت مل جائے، چاہے وہ یک سر ضعیف ہی ہو، وہ اس کو قبول کر لیں اور خود ساختہ نظریہ کے خلاف ہو، اس کو رد کر دیں؛ یہ رویہ ان کا نہیں، منکرین حدیث کا ہے۔ جن کو منکرین حدیث قرار دیا جاتا ہے، یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث کو بالکل نہیں مانتے؛ ان کی کتابیں دیکھ لیجیے، وہ بھی احادیث سے استدلال کرتے اور ان کو پیش کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو منکرین حدیث سمجھا اور کہا جاتا ہے؛ کیوں؟ اس کی تین وجوہ ہیں:

پہلی یہ کہ حدیث کو ماخذ شریعت نہیں سمجھتے اور وہ اس کی تشریعی حیثیت کے منکر ہیں۔

دوسری، وہ حدیث کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاتے اور اس کی عدم محفوظیت کے دعوے کرتے ہیں۔

تیسری وجہ، حسب ضرورت وہ ہر گری پڑی روایت کو تو اپنا لیتے ہیں کہ اس سے ان کے خود ساختہ نظریات کو کچھ سہارا میسر آ جاتا ہے، لیکن صحیح روایات کو وہ پر کاہ کے برابر بھی حیثیت دینے کے لیے تیار نہیں جیسے غامدی صاحب نے 'بدایۃ المجتہد' کے حوالے سے حضرت علی کا جو اثر نقل کیا ہے، وہ معضل (منقطع) ہے اور منکر بھی ہے؛ اس کے معنی میں بھی نکارت ہے، اس لیے کہ ہذیان گوئی تو بے ارادہ ہوتی ہے اور افترا تو وہ ہے جو عمداً ہو، اس لیے ۸۰ کوڑوں کے لیے یہ معقول دلیل نہیں ہے۔

آپ سرسید سے لے کر غلام احمد پرویز تک دیکھ لیجیے، ان کے افکار ونظریات اور ان کے لٹریچر میں یہ تینوں باتیں نمایاں طور پر ملیں گی اور ہمیں یہ کہتے ہوئے نہایت دکھ اور افسوس ہو رہا ہے کہ فراہی گروہ کے اکابر واصاغر سب کا رویہ

بھی حدیث کے بارے میں بالکل یہی ہے؛ یک سرمو فرق نہیں ہے۔

حدیث اور ائمہ سلف کا طرز فکر وعمل

ائمہ سلف کا رویہ حدیث کے بارے میں کیا رہا ہے اور اب بھی ان کے پیروکار اہل اسلام کا رویہ کیا ہے؟

1۔ وہ یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی نظریہ گھڑ کر دلائل تلاش نہیں کرتے بلکہ قرآن کریم اور اس کی قولی اور عملی تفسیر، حدیث نبوی سے جو کچھ ملتا اور ثابت ہوتا ہے، اس کو وہ حرز جان اور آویزہ گوش بنا لیتے ہیں اور اس پر عمل کو دین و دنیا کی سعادت کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

2۔ دوسرے نمبر پر ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے قرآن کی حفاظت فرمائی ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے عموم کی تخصیص کرنے والی احادیث کو بھی محفوظ کر دیا ہے کیوں کہ اس کے بغیر قرآن کی حفاظت کا مقصد ہی پورا نہ ہوتا؛ جب اس کا سمجھنا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہوتا تو اس کو محفوظ کر دینے سے کیا ہوتا؟ اس کی محفوظیت کا فائدہ تو تب ہی ہے جب اس کی تبیین بھی محفوظ ہوتی جس کو حدیث کہا جاتا ہے؛ اس لیے اہل اسلام کا بجا طور پر یہ عقیدہ ہے کہ حدیث رسول بھی الحمد للہ اسی طرح محفوظ ہے۔

3۔ تیسرے، حدیث رسول کے محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن محدثین نے ان احادیث کو جمع اور مدون کیا ہے، انھوں نے اپنے طور پر چھان پھٹک اور نقد وتحقیق کے بعد احادیث کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے تاہم نقد وتحقیق میں کچھ نے تو نہایت اعلیٰ معیار سے کام لیا ہے جس کی وجہ سے ان کا مجموعہ احادیث اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ پا گیا جیسے صحیح بخاری ہے اور اس کے بعد صحیح مسلم ہے؛ ان دونوں کی صحت بلکہ اصحیت امت مسلمہ میں مسلم اور متفق علیہ ہیں؛ اسی لیے ان کو صحیحین (صحیح حدیث کی دو کتابیں) کہا جاتا ہے؛ چناں چہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

> اما الصحيحان: فقد اتفق المحدثون على ان جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع وانهما متواتران الى مصنفيهما و انه كل من يهون امرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المومنين
>
> ’’صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی بابت محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جتنی بھی متصل مرفوع احادیث ہیں، وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور وہ اپنے مصنفین تک متواتر ہیں؛ نیز یہ کہ جو شخص بھی ان دونوں مجموعہ ہائے حدیث کی شان گھٹاتا ہے، وہ بدعتی ہے اور مومنوں کا راستا چھوڑ کر کسی اور راستے کا پیروکار ہے۔‘‘ (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۳۴، طبع لاہور)

4۔ چوتھی بات یہ کہ محدثین نے نقد وتحقیق کے اصول وقواعد اور جرح وتعدیل کے ضوابط مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ راویان احادیث کے مکمل حالات زندگی بھی جمع اور مرتب فرمائے ہیں؛ ان دونوں قسم کے علوم کو اصول حدیث اور اسماء الرجال کہا جاتا ہے۔ ان دونوں بے مثال علوم کی کتابوں سے احادیث کی نقد وتحقیق کا کام ہر وقت کیا جا سکتا ہے

اور یہ کام اب تک جاری بھی ہے؛ چناں چہ انھی اصولوں کی روشنی میں سنن اربعہ (ابوداود، ابن ماجہ، نسائی اور ترمذی) کی روایات کی چھان پھٹک اس دور میں ہوئی؛ مسند احمد اور الجامع الصغیر اور دیگر کئی کتب کو چھانا اور پھٹکا گیا ہے اور صحیح و ضعیف کو الگ الگ کر دیا گیا ہے۔

5۔ اہل اسلام حدیث کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہیں بلکہ نقد وتحقیق حدیث کے محدثانہ اصول و ضوابط کی روشنی میں جو احادیث پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں، ان کو تسلیم اور جو ان کے معیار صحت پر پوری نہیں اترتی، ان کو رد کر دیتے ہیں۔

6۔ اہل اسلام احادیث کے اس ذخیرے کو مجموعہ رطب ویابس قرار دے کر یہ نہیں کہتے: 'ایں دفتر بے معنی، غرق مےِ ناب اولیٰ' بلکہ اس کی غواصی کر کے اس سے لولو ولالہ نکالنے کی جستجو کرتے رہتے ہیں اور یہ غواصی الل ٹپ نہیں ہوتی بلکہ انھی بے مثال اصولوں کی روشنی میں ہوتی ہے جو محدثین نے وضع اور مرتب کیے ہیں؛ رحمهم الله وشكر مساعيهم.

خودساختہ نظریہ رجم کی بے ثباتی اور شریعت سازوں کی بے چارگی

غامدی صاحب کے انداز تحقیق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا رویہ منکرین حدیث کے رویے سے مختلف نہیں ہے؛ انھوں نے شراب نوشی کے بارے میں یہ نظریہ گھڑا کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ اس میں تعزیر ہے؛ اس کے لیے انھوں نے صحیح حدیثیں نظر انداز کر دیں اور حضرت علی کی طرف منسوب بے بنیاد قول کو مدارِ استدلال بنا لیا جس کا ترجمہ خود انھوں نے کیا ہے: ''چناں چہ بیان کیا جاتا ہے۔'' اس کے عربی الفاظ ہیں: كما قيل عنه اور قیل کے ساتھ جو بیان کیا جاتا ہے، اس کی حیثیت خود غامدی صاحب کی زبان سے سنیے!

وہ اپنے خلاف ایک تنقیدی مضمون کے جواب میں لکھتے ہیں:

> ''خود مصنف نے اسے قیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کسی مجہول شخص کی رائے ہے جس کے بارے میں کچھ میں کہا جا سکتا کہ کون تھا اور کہاں اس نے یہ معنی بیان کیے تھے۔'' (برہان، ص ۲۸۴)

اسی طرح حدّ رجم کا معاملہ ہے؛ انھوں نے یا ان کے اکابر نے یہ نظریہ گھڑا کہ یہ شادی شدہ زانی کی حد نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے زانی کی ایک ہی حد ہے اور وہ ہے سو کوڑے؛ چناں چہ انھوں نے اس سے متعلقہ تمام صحیح روایات کی تغلیط و تردید کو اپنا مشن بنا لیا اور آیت محاربہ میں لفظ 'تقتیل' سے اوباش قسم کے زانی مرد اور زانی عورت کے لیے رجم کی سزا کا استنباط فرمایا لیکن: ع 'کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے' کے مصداق بے چارے ہاتھ پیر مار رہے ہیں لیکن سوائے نامرادی ونا کامی کے کچھ حاصل نہیں ہو رہا اور نہ ان شاء اللہ حاصل ہی ہوگا؛ اس لیے کہ اسلاف اور امت کے اجماع سے ہٹ کر جو بھی اپنی الگ راہ اپنائے گا، ذلت اور رسوائی کے سوا اس کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعدِ مَا تَبَيَّنَ لَه الهُدَى وَيَتَّبِع غَيرَ سَبِيلِ المُومِنِينَ نُوَلِّه

مَا تَوَلّٰی ....(النساء115:4)

چناں چہ رجم کے بارے میں غامدی صاحب کی بے چارگی قابل دید ہے؛ جب ان پر یہ واضح کیا گیا کہ 'تقتیل' کے لفظ یا اس کے مفہوم میں رجم کسی طرح بھی شامل نہیں ہوسکتا تو بالآخر یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئے کہ وحیِ خفی کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ 'تقتیل' کے مفہوم میں رجم بھی شامل ہے، لیکن یہاں پھر یہ سوال منہ کھولے سامنے آ کھڑا ہوا کہ جناب من! آپ تو یہ بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی خفی سے کوئی ایسا حکم دے سکتے ہیں جو قرآن میں نہ ہو؛ آپ کے نزدیک تو ایسا حکم قرآن میں تغیر وتبدل ہے جس کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے؛ تو کیا قرآن کے لفظ 'تقتیل' سے رجم مراد لینا جس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، قرآن میں تغیر وتبدل نہیں ہے؟ یا شریعت سازی نہیں ہے؟ شریعت سازی کا یہ حق صدیق وعمر کے لیے آپ نہیں مانتے تو آپ کے امام اول اور آپ کو شریعت سازی کا یہ حق کیسے حاصل ہوگیا؟ (جاری)

خصوصی اشاعت بیاد حضرت مولانا محمد نافعؒ

محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع جھنگویؒ کی حیات وخدمات کے تذکرہ کے لیے ماہنامہ الشریعہ کی ایک خصوصی اشاعت پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں حضرت رحمہ اللہ کے فرزند جناب میاں محمد مختار عمر کی مشاورت کے ساتھ حافظ محمد عمار خان ناصر، پروفیسر محمد عرفان، پروفیسر اللہ بخش نجمی، جناب افتخار تبسم، حافظ عبدالجبار سلفی اور جناب شبیر احمد میواتی پر مشتمل ٹیم نے کام شروع کر دیا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے حوالے سے کسی بھی قسم کی معلومات یا مواد کسی دوست کی رسائی میں ہو، اس کی فراہمی میں ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں۔